(قسط ۲)

ایمان اور اس کے ثمرات و مضمرات

(سورہ تغابن کی روشنی میں)

ڈاکٹر اسرار احمد

اب تیسری آیت آگے پڑھیئے ۔ فرمایا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ تخلیق کیا ۔ یہ مضمون بھی دو درسوں میں بیان ہو چکا ہے اور لفظ حق کی تشریح ہو چکی ہے ۔ اب تیسری بار بطور اعادہ عرض کر رہا ہوں ۔ حق کا اصل مفہوم ہے "وہ چیز جو فی الواقع موجود ہو" اور باطل اصلاً اس کو کہتے ہیں جو نظر تو آئے ۔ محسوس و مشہود تو ہو لیکن حقیقتاً موجود نہ ہو ۔ جیسے سراب ۔ لیکن اس مفہوم اصلی پر چند مفاہیم زائد ہیں ۔ حق ہر وہ چیز ہے جو عقلاً مسلّم ہو ۔ اس کے مقابلہ میں باطل وہ ہے جو عقلاً مسلّم نہ ہو ۔ حق ہر وہ چیز ہے جو اخلاقاً ثابت ہو اور اس کے مقابلہ میں باطل وہ چیز ہے جو اخلاقاً ثابت نہ ہو ۔ حق ہر وہ چیز ہے جو بامقصد PURPOSEFUL ہو جس کے پیچھے کوئی حکمت کارفرما ہو اور باطل و عبث ہر وہ فعل ہے جو بامقصد نہ ہو اور جس کی پشت پر کوئی حکمت نہ ہو ۔ یہاں یہ لفظ حق اسی آخری مفہوم میں استعمال ہوا ہے

اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق مقصد کے ساتھ کی ہے ۔ اس کی ایک منصوبہ بندی (PLANNING) ہے ۔ اس کی باقاعدہ نقشہ کشی ہے ، اس کی حکمتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں ۔ یہ کارِ عبث نہیں ہے ۔ یہ کارِ باطل نہیں ہے ۔ یہ فعل عبث نہیں ہے ۔ جیسا کہ ہم نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کے درس میں پڑھا تھا کہ سلیم الفطرت اور صحیح العقل لوگ اس کائنات کی تخلیق پر تدبر و تفکر کرنے کے بعد جس نتیجے تک پہنچتے ہیں وہ ان کی زبان پر ان الفاظ سے آتا ہے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۔ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا ۔ سُبْحٰنَكَ ۔ تو اس سے پاک ہے ، اعلیٰ و ارفع ہے ، منزہ ہے کہ تیرے بارے میں یہ گھٹیا تصور قائم کیا جائے کہ تو نے اس کائنات کو یونہی پیدا کر دیا اور اس کا کوئی مقصد نہیں سُبْحٰنَكَ ۔ پاک ہے تیری ذات اس گھٹیا تصور سے ۔ یہاں یہ بات کیوں کہی گئی ہے ؟ اس کو ابھی

© rasailojaraid.com

طرح سمجھ لیجیئے۔ مذاہب کی دنیا میں ایک فکر یہ بھی رہا ہے کہ جب انسانوں کی عقل درماندہ و عاجز ہو گئی اور ان کو کائنات کے مقصد کی طرف حقیقی توجہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ تو بس رام کی لیلا ہے۔ جیسے کوئی چھوٹا سا بچّہ، بے شعور اور ناسمجھ بچہ بیٹھا اپنے کھلونوں سے کھیل رہا ہو، وہ کسی وقت کوئی کھلونا اٹھاتا ہے اور پھینک دیتا ہے اور کبھی کوئی کھلونا ادھر سے ادھر کر دیتا ہے، تو اب اگر کوئی شخص یہ تلاش کرے کہ اس کھلونے کے پھینکنے اور اٹھانے میں کیا حکمت تھی تو ایسے شخص کو دیوانہ اور پاگل ہی کہا جاسکتا ہے۔ چونکہ اس بچّہ کے کھیل میں حکمت اور مقصد کی تلاش ایک فعلِ عبث ہے۔ چنانچہ اسی تصوّر پر انہوں نے اپنے مذہب کی اساس رکھی اور اس کارخانۂ عالم کو "رام کی لیلا" قرار دے دیا کہ رام بیٹھا اپنے کھلونوں سے کھیل رہا ہے جس کو چاہتا ہے [illegible] تا ہے جس کو چاہتا ہے، اٹھا کر تحت الثریٰ میں دے مارتا ہے۔ ابھی کوئی لاکھوں میں کھیل رہا ہوتا ہے اور کل دہلی کی گلیوں میں بھیک مانگتا پھر رہا ہے۔ تو یہ سب کچھ بس ایک کھیل ہے جو رام کھیل رہا ہے۔ یہی تصوّر ایک دوسرے انداز سے یونانی اور رومی مذاہب GREEK AND ROMAN RELIGIONS، میں کارفرما رہا ہے ان کی مائتھالوجی کا مطالعہ کیجیئے تو ان کا یہ تصور سامنے آئے گا کہ ان کے نزدیک یہ پوری دنیا بہت بڑا سرکس ہے، ایک بہت بڑا امیفی تھیٹر ہے اور اس میں جو چاروں طرف اونچے اونچے اور بڑے بڑے پہاڑ ہیں، وہاں وہ دیوی اور دیوتا بیٹھے ہوئے ہیں۔ شراب پی رہے ہیں، رنگ رلیاں منا رہے ہیں اور اس دنیا کا تماشا دیکھ رہے ہیں کہ اس اسٹیج پر اداکار کس طرح اپنا اپنا پارٹ انجام دے رہے ہیں۔ جس طرح انسان سرکس اور تھیٹر میں تماشے دیکھا کرتا ہے اور جس طرح وہ اپنے امیفی تھیٹروں میں بیٹھ کر انسانوں کو شیروں سے پھڑواتے اور چِرواتے ہیں اور یہ تماشا دیکھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح دیوی اور دیوتا بیٹھے تماشا دیکھ رہے ہیں اور لطف اندوز ہو رہے ہیں کہ کشت و خون ہو رہا ہے، جنگیں ہو رہی ہیں، زلزلے آ رہے ہیں۔ یہ تصور مذاہب کی دنیا میں رہا۔ لہٰذا اس کی نفی ہوئی، مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۔ سُبْحٰنَكَ ۔ یہ بات تو اس خالق کے تصوّر کے ساتھ بڑی ہی گری ہوئی بات ہے۔ اگر اس کو کسی کھلنڈرے بچے پر قیاس کریں یا اسے تماش بینی کا شوقین سمجھیں تو یہ بڑی گھٹیا بات ہے۔ سُبْحٰنَكَ ۔ اے اللہ تیری ذات اس سے پاک ہے۔ ان تمام تصورات سے تو اعلیٰ و ارفع ہے، بلند و بالا ہے، منزہ ہے۔ یہی بات سورۃ مومنون کی ان آیات میں آئی۔

"اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۞ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا، بے مقصد پیدا کیا؟ اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ تو وہ اللہ ملک الحق، وہ بادشاہ حقیقی تمہارے اس خام خیال اور باطل تصوّرات سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حاکم نہیں۔ وہ عرش کریم کا مالک ہے۔ وہ علی الاطلاق شہنشاہ ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے یہ کارخانہ محض کھیل تماشہ اور بے نتیجہ و بے انجام تخلیق کیا ہو — یہ دلیل قرآن مجید میں بار بار آئی ہے اور یہاں اس آیت کے چھوٹے سے ٹکڑے میں درحقیقت یہی دلیل ہے۔ وہاں منفی انداز میں تھی، یہاں مثبت انداز میں ہے۔ وہاں فرمایا اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ؕ استفہامیہ انداز اور نفی کے ساتھ۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ خبریہ انداز لیکن نفی کے ساتھ۔ اور ان دونوں چیزوں کو ایک مثبت اسلوب میں یہاں بیان کر دیا گیا۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اس نے آسمانوں اور زمین کو ایک مقصد اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ حکیم ہے اور کمال حکمت والا ہے۔ اس کے بارے میں یہ تصوّر نہ صرف گھٹیا بلکہ باطل ہے کہ وہ بیکار اور عبث تخلیق کرے۔ فعل عبث اس کی جلالت کے شایان شان نہیں ہے بلکہ اس کے منافی ہے۔ اس گفتگو کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ آگے اس کا بیان موجود ہے۔ فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ "کائنات کی بالحق تخلیق کے ذکر کے بعد ذہن کو منتقل کیا گیا کہ اب اپنی طرف آجاؤ۔ چونکہ حاصلِ تخلیق تو تم ہی ہو۔ جیسا کہ میں پچھلے درس میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو بیان کر چکا ہوں "اِنَّمَا الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ" اس دنیا کا مرکزی وجود تو تم ہو، اس میں کوئی شک نہیں اور یہ دنیا، یہ کائنات تمہارے لئے ہی تخلیق کی گئی ہے۔ لہٰذا صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ غور کرو تمہاری تصویر کشی اس نے کی ہے پس کتنی عمدہ کی ہے! کس قدر احسن تقویم پر تمہاری تخلیق کی کس طرح کی صلاحیتوں سے تم کو مسلح کر دیا۔ کس طرح کے ذرائع علم اور حواس تمہیں عطا کئے۔ تمہارے ظاہر و باطن میں کون کون سی قوتیں ودیعت کر دیں، تمہیں ادراکات اور احساسات کے کن کن ہتھیاروں سے نوازا۔ تمہارے شعور میں قوتِ متخیلہ، قوتِ واہمہ اور قوتِ اختراع و ایجاد جیسی کیا کیا نعمتیں رکھ دیں۔ تمہیں کیسا متناسب جسم عطا کیا اور اس میں کیسے کیسے متناسب اعضاء و جوارح رکھ دیئے۔ جن لوگوں نے ان باتوں پر غور کیا، انہیں کہنا پڑا کہ یہ انسان خود ایک عالم اصغر ہے، پوری کائنات اس کے اندر موجود ہے اور اس سے بڑی بات کیا ہو گی کہ خود

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ " میں خود مومن کے قلب میں سما جاتا ہوں "۔ وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ۔ تمہاری صورت گری کی، نقش و نگار بنائے، احسن اور خوبصورت وجود تم کو بخشا۔ تو کیا یہ سب کچھ یوں ہی بنائے؟ بیکار بنائے؟ محض شوقیہ بنائے؟ اور بقول کسے ؎

تخلیق کائنات کی دلچسپ بھول پر، ہنستا تو ہوگا آپ بھی یزداں کبھی کبھی!

کیا یہ تصور تمہارے ذہن کو اپیل کرتا ہے؟ اگر نہیں کرتا تو غور کرو اور یہ غور تمہیں جس نتیجہ تک پہنچائے گا، وہ یہ ہے کہ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا پڑے گا۔ جو کچھ تمہیں دیا ہے، اس کے متعلق تم سے پوچھے گا کہ تم نے کیا کیا؟ کس کس طرح کیا؟ ان صلاحیتوں سے کیا کام لیا؟ ان قوتوں کو کس کام میں لگایا؟ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا، " لن تزول قدما ابن آدم یوم القیامۃ من عند ربہ " اللہ کی عدالت سے کسی انسان کے دونوں قدم ہل نہیں پائیں گے جب تک کہ پانچ سوالوں کا جواب نہیں لیا جائیگا۔ حَتّٰی یُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ۔ پوچھ گچھ ہوگی، اچھی طرح محاسبہ ہوگا عَنْ عُمُرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ۔ عمر کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ یہ مہلتِ عمر جو ہم نے عطا کی تھی کس چیز میں کھپائی؟ کہاں فنا کی؟ اور عمر کے متعلق خاص طور سوال ثانی ہوگا وَعَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ " کہ جوانی کو کس حالت میں گنوایا " یہ خاص دور جو عمر کا ہے۔ یہ شباب کا دور، قوتوں والا دور، عزائم والا دور، ہمتوں والا دور۔ جب جسم و جان میں خون کی حرارت اپنا اظہار کر رہی ہو۔ پوچھا جائے گا کہ کس دور کو کہاں کھپایا؟ کہاں ضائع کیا؟ پھر پوچھا جائے گا۔ عَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اِکْتَسَبَہٗ وَفِیْمَا اَنْفَقَہٗ، مال کے بارے میں سوال ہوگا، کہاں سے کمایا تھا؟ حلال سے یا حرام سے جائز طریقہ سے یا ناجائز سے؟ کہاں خرچ کیا تھا؟ گل چھرے اڑائے تھے، تبذیر میں اڑایا تھا، اسراف کے حوالے کیا تھا۔ ابناءِ نوع پر رعب گانٹھنے کے لئے خرچ کیا تھا۔ یا یہ کہ جن جن کے حقوق متعین کر دیئے گئے تھے، ان کے حقوق کی ادائیگی میں صرف کیا تھا اور آخری بات جو پوچھی جائے گی وہ یہ ہے وَمَاذَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَہٗ " اور اپنے علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا؟ کہ جو کچھ تمہیں علم حاصل ہوا، دین کی جو حقیقت تم پر واضح ہوگئی، خدا کے عائد کردہ فرائض کا جو علم تمہیں حاصل ہوگیا، دین کی جو ذمہ داریاں سمجھ میں آگئیں، ان پر عمل کتنا کیا؟ علم کے کتنے نمبر لیتے چلے گئے، انسائیکلوپیڈیا بنتے چلے گئے۔

© rasailojaraid.co

© rasailojaraid.co

اپنے دماغوں کو علم کی بہت بڑی لائبریری بنا رکھا ہے یا یہ کہ جو کچھ سمجھا اور علم حاصل کیا، اس کے مطابق عمل بھی کیا کہ نہیں! یہ سوالات ہو کر رہیں گے، اگر یہ کائنات بامقصد ہے، اگر یہ فعلِ تخلیق عبث نہیں ہے اور یہ نظام کائنات اللہ کا فعلِ باطل نہیں ہے تو یقیناً سوال و جواب ہوگا، محاسبہ ہوگا، جزا سزا ہوگی۔ وَاِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ۔ وہ تمام استدلالات جو ہم نے سورہ آلِ عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات میں پڑھے تھے، یہاں ایک دوسرے اسلوب اور انداز سے بیان ہوئے لیکن ترتیب وہی ملے گی۔ اگر آپ اس ترتیب کو اپنے ذہن میں مستحضر کریں گے تو قرآنِ مجید کے طرزِ استدلال کو اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ اور قرآن مجید کے مطالعہ کے دوران آپ کو یہی طرزِ استدلال راہنمائی کرتا ملے گا۔ قرآن کو سمجھنے کیلئے باہر سے کوئی طرزِ استدلال لا کر نہ ٹھونسیے بلکہ خود قرآن ہی سے معلوم کیجیے کہ وہ کیا طرزِ استدلال اختیار کرتا ہے۔ اور کیا دلائل پیش کرتا ہے۔ [illegible] قرآن حکیم کے دلائل جتنے قوی اور اطمینان بخش ہیں اس سے زیادہ قوی اور تسلی بخش کوئی دلیل پیش کرنا ممکن ہی نہیں جتنی دلیلیں قرآن سے باہر تراشنے کی کوششیں کی گئی ہیں منطق کے صغریٰ اور کبریٰ ملا کر جو دلائل بنائے گئے ہیں، ان میں قطعاً کوئی زور نہیں ہے۔ بڑے سے بڑے متکلم اور فلسفی کو یہ کہنا پڑا کہ "اَمُوۡتُ عَلٰی عَقِیۡدَۃِ اُمِّیۡ۔ میری ساری قیل وقال دھری رہ گئی ہے۔ میں تو اپنی ماں کے عقیدے پر جان دے رہا ہوں۔ جیسے وہ بلا دلیل خدا کو مانتی تھی ویسے ہی میں بھی بلا دلیل خدا کو مانتا ہوں۔ اگر کوئی علم کلام اور منطق کے گورکھ دھندے میں پھنس گیا تو سواء السبیل سے گویا بھٹک گیا۔ لیکن اگر قرآن حکیم کا جو اپنا طرزِ استدلال ہے اس کو سمجھئے تو درحقیقت یہی ہے ایمان افروز استدلال یہ ہے ایمان کو تقویت دینے والا استدلال۔ یہ ہے ایمان کی راہنمائی کرنے والا استدلال۔ اور یہ استدلال فطرت کے بدیہیات پر قائم ہے۔ یہ منطق کے مسلّمات پر قائم نہیں ہے۔ منطق کا ایک مسلّمہ، دوسرے مسلّمہ کو توڑ دے گا۔ لیکن فطرت کے بدیہیات کو توڑ دینے والی کوئی چیز نہیں۔ ماسوائے اس کے کہ انسان کی خود فطرت ہی مسخ ہو گئی ہو تو ظاہر بات ہے کہ یہ مرض لاعلاج ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس پر تعصب، عناد، ضد اور ہٹ دھرمی غالب آ گئے ہوں تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی جاگتا ہو لیکن بہانہ کر کے سویا ہوا ہو تو اس بناوٹی سونے والے کو جگانا ممکن نہیں۔ سوئے ہوئے کو تو جگایا جا سکتا ہے مگر جاگتے بناوٹی سونے والے کو جگانا امر محال ہے، لہٰذا ایسے انسانوں پر کوئی دلیل کارگر نہیں ہو

© rasailojaraid.com

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اب بتائیے کوئی چیز باہر رہ گئی؟ لیکن پھر ایک اور پہلو سے بات ہو رہی ہے ایک اور رُخ اور زاویہ کے ساتھ د DIMENSIONS ، گفتگو کی جا رہی ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۔ اور کہیں یہ مغالطہ نہ ہو جائے کہ ہمارے جو پوشیدہ ارادے ہیں، انہیں وہ کہاں جانتا ہوگا۔ لہٰذا بتا دیا گیا کہ وہ جانتا ہے وہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ مبادا کوئی ابہام رہ جائے۔ لہٰذا آخر میں فرمایا "وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" تمہاری نیتیں، تمہارے ارادے، تمہارے محرکاتِ عمل جن پہ اصل جزا و سزا کا دارومدار ہے وہ تو یہی محرکاتِ عمل ہیں نہ کہ وہ ظاہری اعمال جو تم سے ظہور میں آ رہے ہیں ــــ اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ ۔ اس کی تو نگاہ ہی تمہارے قلوب پر ہے۔ وہاں کیا حال ہے؟ وہاں کیا کیفیت ہے؟ وہ تو دیکھتا ہی اس کو ہے تو فرمایا "وَاللّٰہ تمہارے سینوں میں چھپے ہوئے ارادوں سے بھی باخبر اور واقف ہے۔ یہاں چوتھی آیت ختم ہوئی اور ان چار آیتوں میں ایمان باللہ کا بیان مکمل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ایمان بالمعاد کے لئے اساسات قائم کر دی گئیں۔

(جاری ہے)

بقیہ : اُسوہ

یہ بھی انتظار کر رہے ہیں یہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ آپ بھی انتظار کیجئے اللہ کا حکم کب آتا ہے۔ اس کی مدد کب آتی ہے اسکی حکمت بالغہ ہیں کس کام کے لئے کونسا وقت معین ہے یہ اسی کو معلوم ہے۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم
ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم

© rasailojaraid.com

اسلام کو
حکمائے عصرِ حاضر کے تین چیلنج
جن کا جواب
علمائے اسلام کے ذمّے ہے

(شائع شدہ ماہنامہ "میثاق" اپریل ۷۴ء)

یہ ایک طویل خط ہے جو علامہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم نے عزیزم ڈاکٹر ابصار احمد سلمہ کے نام اُن کی انگلستان سے واپسی کے فوراً بعد ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو لکھا تھا، بعض وجوہات سے اس کی اشاعت ملتوی ہوتی رہی - اب اسے محض بالکل ہی ذاتی نوعیت کے حصے حذف کر کے شائع کیا جا رہا ہے اس لئے کہ جیسا کہ خود چشتی صاحب مرحوم نے لکھا ہے، اس کے مخاطب صرف ڈاکٹر ابصار احمد نہیں بلکہ اُمتِ مسلمہ کے تمام ذہین اور باصلاحیت نوجوان ہیں - اسرار احمد

برخوردار سعادتِ اطوار! اللہ تعالیٰ تمہیں سعادتِ دارین عطا فرمائے، اور فخرِ خاندان بنائے! چونکہ تمہیں میرے جذباتِ قلبی سے آگاہی نہیں ہے اس لیے تم میری مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتے - جو علم کے میدان میں تمہاری شاندار کامیابیوں سے مجھے حاصل ہوئی ہے - انہی جذبات کے اظہار کے لیے یہ طویل خط میں لکھ رہا ہوں - اور چونکہ ان جذبات سے دوسرے مسلمان بھی مستفید ہو سکتے ہیں اس لیے یہ خط "میثاق" کے ذریعے سے تمہیں بھیج رہا ہوں - شاید تمہارے علاوہ اللہ کا کوئی نیک بندہ بھی میرے جذبات کو عملی جامہ پہنا کر داخلِ حسنات ہو سکے -

تم مجھ سے زیادہ اس حقیقت سے آگاہ ہو کہ موجودہ صدی انکار، درج، انکار

خدا اور انکارِ عرفان (GNOSIS) و وجدان (INTUITION) کی علمبردار ہے۔

اقبال کے مرشدِ معنوی اکبر الٰہ آبادی نے اس صدی کے آغاز یعنی ۱۹۰۲ء میں یہ شعر کہا تھا ؎

غزالی و رُومی کی بھلا کون سُنے گا محفل میں چھڑا نغمۂ اسپینسر و مل

تم تو ان دونوں سے واقف ہو، مگر اس خط کے بعض پڑھنے والے شاید واقف نہ ہوں اس لیے اتنی صراحت ضروری ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں ان دونوں فلسفیوں کی تصانیف الٰہ آباد یونیورسٹی میں داخلِ نصاب تھیں اور یہ دونوں لاادریت کے مبلغ تھے اور تم جانتے ہو کہ لاادریت انکارِ خدا، انکارِ رُوح اور انکارِ عالمِ آخرت کی طرف پہلا قدم ہے، ان کے مقابلے میں امام غزالی اور عارف رومی دونوں وجدان اور عرفان کے حامی ہیں۔

اگر اکبر آج زندہ ہوتے تو وہ اپنی آنکھوں سے شجرِ لاادریت کے اثمارِ تلخ کی ہر دلعزیزی کا مشاہدہ کر لیتے۔ ساری دنیا ان کو قند ارو سمجھ کر کھا رہی ہے اور آبِ حیات کے دھوکے میں پی رہی ہے۔

مذہب اس صدی میں اپنے زوال کی آخری سرحدوں کو چھُو رہا ہے اور اخلاقِ حسنہ پر عالمِ نزع طاری ہے۔ اور آج کافر نہیں، بلکہ مسلمان، اخلاقی اعتبار سے دنیا میں پست ترین قوم ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کفار (ہنود و مجوس و یہود و بودھ و نصاریٰ وغیرہم) اپنی مذہبی کتابوں اور ان کی تعلیمات سے آگاہ ہیں، لیکن مسلمان، من حیث القوم قرآن حکیم سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ وہ سب کچھ پڑھتے ہیں، صرف قرآن نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے ہیں وہ اسے سمجھتے نہیں۔ اسی لیے مسلمانوں کے اندر تبلیغ کا جذبہ بالکل فنا ہو چکا ہے۔

یہ ذوقِ تبلیغ کے مردہ ہو جانے ہی کا نتیجہ ہے کہ بیسویں صدی میں یورپ نے مسلمانوں کو جو چیلنج دیے، آج تک کسی مسلمان کو ان کا جواب دینے کی توفیق نہ مل سکی۔ اللہ کا اٹل قانون ہے کہ توفیق اسی کو ملتی ہے، جو حصولِ توفیق کے لیے مجاہدہ (کوشش) کرے۔ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ اس پر شاہد ہے۔

میرے محدود مطالعے کی رو سے بیسویں صدی میں یورپ نے مسلمانانِ عالم کو

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com